فتاویٰ امن پوری (قسط ۱۵۵)

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

سوال: انسانی بلغم کا کیا حکم ہے؟

جواب: بلغم پاک ہے۔

❀ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (۸۵۲ھ) فرماتے ہیں:

قَدْ نَقَلَ بَعْضُهُمْ فِيهِ الْإِجْمَاعَ .

''اس (بلغم کے پاک ہونے کے) بارے میں بعض اہل علم نے اجماع نقل کیا ہے۔''

(فتح الباري :353/1)

سوال: روزہ کی حالت میں بلغم نگل لے، تو کیا حکم ہے؟

جواب: بلغم نگلنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

سوال: کیا ایسی نیکی کی نذر ماننا جائز ہے، جسے کرنا ضروری نہیں؟

جواب: ہر جائز اور نیک کام کی نذر مانی جا سکتی ہے، خواہ وہ کام فرض ہو، نفل ہو یا مباح۔ البتہ نذر ماننے کے بعد اس کام کو پورا کرنا واجب ہو جاتا ہے، ورنہ کفارہ لازم آئے گا۔

سوال: جس نے اپنے ہی بیٹے کو ذبح کرنے کی نذر مانی ہو، اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: یہ اللہ کی نافرمانی کی نذر ہے۔ اس نذر کو پورا کرنا جائز نہیں، بلکہ نذر کا کفارہ ادا کرنا واجب ہے۔

❀ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ نَذَرَ أَنْ يُّطِيعَ اللّٰهَ فَلْيُطِعْهُ، وَمَنْ نَذَرَ أَنْ يَّعْصِيَهٗ فَلَا يَعْصِهٖ .

''جس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی نذر مانی ہے، وہ اس کی اطاعت کرے (یعنی نذر پوری کرے) اور جس نے اللہ کی نافرمانی کی نذر مانی ہے، وہ نافرمانی نہ کرے (یعنی نذر پوری نہ کرے)۔''

(صحيح البخاري : 6696)

سوال: شراب پینے کی نذر مانی، تو کیا حکم ہے؟

جواب: شراب پینا حرام اور گناہ ہے، گناہ کی نذر ماننا جائز نہیں، اگر مان لی جائے، تو اسے پورا کرنا جائز نہیں، بلکہ نذر کا کفارہ واجب ہوگا۔

سوال: جس نے عید الفطر کے دن روزہ رکھنے کی نذر مانی، اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: عید الفطر کے دن روزہ رکھنا ممنوع ہے اور ممنوع کام کی نذر ماننا بھی ممنوع ہے، لہٰذا جس نے عید الفطر کے دن روزے کی نذر مانی، وہ نذر توڑ دے اور بدلے میں کفارہ ادا کرے۔

سوال: نبی کریم ﷺ کی توہین کرنے والے ''ذمی'' کی کیا سزا ہے؟

جواب: ذمی وہ کافر ہے، جو مسلمانوں کی سلطنت میں جزیہ دے کر رہتا ہے، بدلے میں اسے مسلمان امان دیتے ہیں، اس کے مال و جان کی حفاظت کرتے ہیں۔ اگر ذمی بھی نبی کریم ﷺ کی گستاخی کا مرتکب ہوتا ہے، تو اس کا ذمہ ٹوٹ جائے گا، وہ حربی قرار پائے گا، اس کی سزا بھی قتل ہے۔ اس پر قرآن و حدیث اور اجماع امت دلیل ہیں۔ علمائے احناف کے نزدیک ذمی گستاخ رسول کی سزا قتل نہیں۔

❀ علمائے احناف کا فتویٰ ہے:

مَنِ امْتَنَعَ مِنْ أَدَاءِ الْجِزْيَةِ أَوْ قَتَلَ مُسْلِمًا أَوْ سَبَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ أَوْ زَنٰى بِمُسْلِمَةٍ لَمْ يَنْقُضْ عَهْدُهٗ .

''جو ذمی جزیہ دینے سے انکار کر دے، یا کسی مسلمان کو قتل کر دے یا نبی کریم ﷺ کو گالی دے یا کسی مسلمان عورت سے زنا کرے، تو اس کا ذمہ نہیں ٹوٹے گا۔''

(القدوري، ص241، الهداية :598/1، فتاویٰ عالمگیری:252/2)

۞ علامہ قاسم بن قطلو بغا حنفی رحمہ اللہ (٨٧٩ھ) نے کہا ہے:

نَعَمْ نَفْسُ الْمُؤْمِنِ تَمِيلُ إِلٰى قَوْلِ الْمُخَالِفِ فِي مَسْأَلَةِ السَّبِّ لٰكِنَّ اتِّبَاعَنَا لِلْمَذْهَبِ وَاجِبٌ وَفِي الْحَاوِي الْقُدْسِيِّ وَيُؤَدَّبُ الذِّمِّيُّ وَيُعَاقَبُ عَلٰى سَبِّهٖ دِينَ الْإِسْلَامِ أَوِ النَّبِيَّ أَوِ الْقُرْآنَ .

''یہ بات درست ہے کہ ایک مؤمن کا دل ہمارے مخالف (ائمہ ثلاثہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ) کے مذہب کی طرف مائل ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کو برا بھلا کہنے والے کی سزا قتل ہے، لیکن ہم پر اپنے مذہب کی پیروی واجب ہے۔ حاوی قدسی (از حنفی فقیہ احمد بن محمد بن نوح غزنوی، المتوفی تقریبا: ٦٠٠ھ) میں لکھا ہے: ''ذمی اگر دین اسلام کو گالی دے، یا نبی کریم ﷺ کو گالی دے یا قرآن کو گالی دے، تو اسے تادیباً سزا دی جائے گی (قتل نہیں کیا جائے گا)۔''

(البحر الرّائق لابن نُجَيم : 125/5)

۞ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نقل کرتے ہیں:

''ذمی خواہ کیسے ہی بڑے جرم کا ارتکاب کرے، اس کا ذمہ نہیں ٹوٹتا حتی کہ جزیہ بند کر دینا، مسلمان کو قتل کرنا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنا، یا کسی مسلمان عورت کی آبروریزی کرنا بھی اس کے حق میں ناقض ذمہ نہیں ہے۔''

(الجہاد فی الاسلام، ص289)

❁ فرمان الٰہی ہے:

﴿وَإِنْ نَكَثُوا أَيْمَانَهُمْ مِنْ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوا فِي دِينِكُمْ فَقَاتِلُوا أَئِمَّةَ الْكُفْرِ إِنَّهُمْ لَا أَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُونَ﴾(التّوبة : ١٢)

''اگر یہ لوگ معاہدہ کرنے کے بعد بھی اپنی قسمیں توڑ دیں اور تمہارے دین میں طعن کریں، تو تم ان کفر کے سرغنوں سے قتال کرو، کیونکہ اب ان کی قسموں کا کوئی اعتبار نہیں، شاید (اس طرح) یہ باز آجائیں۔''

ثابت ہوا کہ ذمی اگر دین میں طعن کرے، تو اس کا عہد ٹوٹ جائے گا، وہ حربی بن جائے گا اور اس کی سزا قتل ہے۔

❁ سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ لِكَعْبِ بْنِ الْأَشْرَفِ، فَإِنَّهُ قَدْ آذَى اللّٰهَ وَرَسُولَهُ، قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ مَسْلَمَةَ : أَتُحِبُّ أَنْ أَقْتُلَهُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ؟ قَالَ : نَعَمْ .

''کعب بن اشرف (یہودی) کو کون قتل کرے گا، اس نے اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دی ہے۔ سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اللہ کے رسول! کیا آپ پسند فرماتے ہیں کہ میں اسے قتل کر دوں۔ فرمایا: جی ہاں۔''

(صحيح البخاري : 3031، صحيح مسلم : 1801)

❁ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فاتحانہ انداز میں مکہ میں داخل ہوئے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اللہ کے رسول! عبداللہ بن اخطل غلاف کعبہ کے ساتھ چمٹا ہوا ہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا:

اُقْتُلُوهُ. ''اسے قتل کردیں۔''

(صحيح البخاري: 1846، صحيح مسلم: 1357)

❁ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ فتح مکہ والے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کفار کو امان دے دی، سوائے چار مرد اور دو عورتوں کے اور فرمایا:

اقْتُلُوهُمْ، وَإِنْ وَجَدْتُمُوهُمْ مُتَعَلِّقِينَ بِأَسْتَارِ الْكَعْبَةِ عِكْرِمَةُ بْنُ أَبِي جَهْلٍ، وَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ خَطَلٍ، وَمَقِيسُ بْنُ صُبَابَةَ، وَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ سَعْدِ بْنِ أَبِي سَرْحٍ.

''انہیں قتل کردیں، خواہ یہ غلاف کعبہ کے ساتھ چمٹے ہوں؛ عکرمہ بن ابی جہل، عبداللہ بن خطل، مقیس بن صبابہ اور عبداللہ بن سعد بن ابی السرح۔''

(سنن النّسائي: 4067، المستدرك للحاكم: 2329، وسندهٗ حسنٌ)

❁ علامہ قرطبی رحمہ اللہ (۶۷۱ھ) فرماتے ہیں:

''اکثر اہل علم کا مؤقف ہے کہ جو ذمی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو برا بھلا کہے یا عیب جوئی کرے یا آپ کی شان گھٹائے یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسا وصف بیان کرے کہ جس وصف کو بیان کرنے سے وہ کافر ہو جاتا ہے، تو اسے قتل کردیا جائے گا۔''

(تفسير القُرطبي: 83/8)

❁ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

إِنْ كَانَ ذِمِّيًّا فَإِنَّهٗ يُقْتَلُ أَيْضًا فِي مَذْهَبِ مَالِكٍ وَأَهْلِ الْمَدِينَةِ ...... وَهُوَ مَذْهَبُ أَحْمَدَ وَفُقَهَاءِ الْحَدِيثِ .

''گستاخ رسول اگر ذمی ہو، تو اسے بھی امام مالک رحمہ اللہ اور اہل مدینہ کے مذہب کے مطابق قتل کیا جائے گا......امام احمد بن حنبل اور محدثین فقہا رحمہم اللہ کا بھی یہی مذہب ہے۔''

(الصّارم المَسلول، ص 4)

❁ نیز فرماتے ہیں:

مَنْ سَبَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ مُسْلِمٍ أَوْ كَافِرٍ فَإِنَّهٗ يَجِبُ قَتْلُهٗ، هٰذَا مَذْهَبُ عَلَيْهِ عَامَّةُ أَهْلِ الْعِلْمِ .

''جو مسلمان یا کافر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو برا بھلا کہے، اس کا قتل واجب ہے۔ اکثر اہل علم کا یہی موقف ہے۔''

(الصّارم المَسلول، ص 3)

بعض منافقین یا کفار نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے ہرزہ سرائی کی، مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں معاف کر دیا، بعض لوگ اسے دلیل بناتے ہوئے گستاخ رسول کی سزا قتل ہونے کا انکار کرتے ہیں، جبکہ یہ بات درست نہیں۔ گستاخ رسول کی سزا قتل ہے، یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حق ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا یہ حق وصول کریں یا معاف کر دیں، آپ کو تو یہ اختیار حاصل ہے، اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد گستاخ کی سزا معاف کرنے کا کسی کو حق حاصل نہیں۔

❁ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ (۷۵۱ھ) فرماتے ہیں:

ذٰلِكَ أَنَّ الْحَقَّ لَهٗ، فَلَهٗ أَنْ يَسْتَوْفِيَهٗ، وَلَهٗ أَنْ يَتْرُكَهٗ، وَلَيْسَ

لِأُمَّتِهِ تَرْكُ اسْتِيفَاءِ حَقِّهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ .

''نبی کریم ﷺ کو حق حاصل تھا کہ (اپنے گستاخ) کو سزا دیں یا اسے معاف کر دیں، مگر آپ ﷺ کی امت کو کوئی حق نہیں کہ آپ ﷺ کے گستاخ کی سزا معاف کر دیں۔''(زاد المَعاد : 56/5)

تنبیہ:

❀ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے منسوب ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ سَبَّ نَبِيًّا مِّنَ الْأَنْبِيَاءِ فَاقْتُلُوهُ

''جو کسی نبی کو سب وشتم کرے، اسے قتل کر دو۔''

(المعجم الأوسط للطّبراني : 4602، فوائد تمّام : 740)

یہ روایت سخت ضعیف ہے۔ ابو صلت عبد السلام بن صالح ہروی سخت ضعیف اور متروک ہے۔ اس کی متابعت عبید اللہ بن محمد عمری نے کی ہے، وہ بھی ضعیف ہے، اس کی توثیق ثابت نہیں۔

نوٹ:

گستاخ رسول کی سزا نافذ کرنے کا اختیار صرف اور صرف مسلمان حکمران کو ہے۔ اگر کوئی قانون ہاتھ میں لے کر کسی گستاخ کو قتل کر دے، تو اس کی سزا بھی قتل ہے۔

سوال: کیا انبیائے کرام علیہم السلام کی میراث تقسیم ہوتی ہے؟

جواب: انبیائے کرام علیہم السلام جو مال چھوڑیں، وہ صدقہ ہوتا ہے، اس مال کو وراثت کے قوانین کے مطابق تقسیم نہیں کرتے۔

❁ متواتر حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لَا نُورَثُ، مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ.

''ہماری میراث نہیں ہوتی۔ ہمارا متروکہ مال صدقہ ہوتا ہے۔''

(صحيح البخاري : 6727، صحيح مسلم :1761، عن أبي هريرة)

یہ حدیث نبی کریم ﷺ سے کئی صحابہ نے سنی ہے۔

① سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

(صحيح البخاري : 3093)

② عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ

(صحيح البخاري : 3094)

③ سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ

(صحيح البخاري : 3094)

④ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ

(صحيح البخاري : 3094)

⑤ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ

(صحيح البخاري : 3094)

⑥ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ

(صحيح البخاري : 3094)

⑦ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ

(صحيح البخاري : 3094)

⑧ سیدنا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ

(صحيح البخاري : 3094)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس حدیث کو متواتر قرار دیا ہے۔

(موافقة الخبر الخبر : 179/2)

ام المومنین، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

''سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کو پیغام بھیج کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس میراث کا مطالبہ کیا، جو اللہ تعالیٰ نے انہیں مالِ فے کی صورت میں عطا کی تھی، باغ فدک اور خیبر کے خُمس کا بھی مطالبہ کیا۔ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ہماری میراث نہیں ہوتی، ہمارا متروکہ مال صدقہ ہوتا ہے، ہاں! آلِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اخراجات اس سے پورے کئے جائیں، مگر انہیں حق نہیں ہوگا کہ کھانے، پینے کے علاوہ کسی مصرف میں لائیں۔ اللہ کی قسم! میں دور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے معمولات صدقہ میں تبدیلی نہیں کروں گا، بل کہ ان معمولات کو اسی طرح جاری رکھوں گا، جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چھوڑ کر گئے۔ پھر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیا اور فرمایا: اے ابو بکر! ہم آپ کی فضیلت و مرتبہ کے اقراری ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اہل بیت کی قرابت داری اور ان کے حقوق کا ذکر کیا۔ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس ذات کی قسم، جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت داروں سے حسن سلوک مجھے اپنے عزیز و اقارب سے زیادہ عزیز ہے۔''

(صحيح البخاري : 3711، 3712، صحيح مسلم : 1758)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (852ھ) فرماتے ہیں:

''بعض روافض نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ اس حدیث کی قرأت میں لفظ[صَدَقَةً] کا حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہونا ہی صحیح ہے، لیکن جس پر جدید اور قدیم محدثین کا اتفاق ہے، وہ[لَا نُورَثُ] نون کے ساتھ ہے،[صَدَقَةٌ] مرفوع ہے۔ کلام کے دو جملے ہیں؛ ایک[مَا تَرَكْنَا] مبتدا ہونے کے لحاظ سے محلاً مرفوع ہے،[صَدَقَةٌ] اس کی خبر ہے۔ صحیح بخاری کی ایک روایت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، اس میں الفاظ یہ ہیں:[مَا تَرَكْنَا فَهُوَ صَدَقَةٌ] ''ہم (انبیا) نے جو مال چھوڑا ہے، وہ صدقہ ہی ہے۔'' محدثین نے سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی سیدہ فاطمہ کے مطالبہ پر جوابی گفتگو امامیہ کے خلاف دلیل بنائی ہے۔ یہ دونوں ہستیاں فصاحت میں سب سے بڑھ کر تھیں اور الفاظِ حدیث کے مطالب و مفاہیم بہتر جاننے والی تھیں۔ اگر ان الفاظ کی قرأت وہی ہے، جو روافض بتاتے ہیں، تو یہ دلیل مانی جاتی، نہ ان کا جواب سوال کے مطابق قرار پاتا۔ یہ بات انصاف پسند طبیعت پر واضح ہے۔''

(فتح الباري شرح صحيح البخاري : 202/6)

❀ حافظ، عبدالرحیم بن حسین، عراقی رحمہ اللہ (806ھ) کہتے ہیں:

''یہ روایت شیعہ جہال کا واضح ردّ ہے، وہ کہتے ہیں کہ صحیح مسلم کی روایت «مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ» میں «صَدَقَةً» منصوب ہے اور ما نافیہ ہے۔ (انبیا کا متروکہ مال صدقہ نہیں)، لیکن یہ ان کی قبیح غلطی ہے، «صَدَقَةٌ» مرفوع ہے اور «مَا» موصولہ ہے۔ اس ضمن میں وہ روایت قول فیصل ہے، جس

کے الفاظ ہیں: «مَا تَرَكْنَا فَهُوَ صَدَقَةٌ» ''انبیا کا متروکہ مال صدقہ ہی ہوتا ہے۔'' (طرح التثريب في شرح التقريب : 242/6)

❀ علامہ محمد عبدالرحمٰن، مبارکپوری رحمہ اللہ (1353ھ) کہتے ہیں:

''«مَا تَرَكْنَا» مبتدا ہونے کی بنا پر مرفوع ہے اور «صَدَقَةٌ» اس کی خبر۔ بعض رافضیوں نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ لفظ «لَا نُورَثُ» دراصل «لَا يُورَثُ» ہے۔ «صَدَقَةً» حال ہے، اس لئے منصوب ہے۔ «مَا تَرَكْنَا» نائب فاعل ہونے کی بنا پر مرفوع ہے۔ اصل عبارت یوں ہوگی: «لَا يُورَثُ الَّذِي تَرَكْنَاهُ حَالَ كَوْنِهِ صَدَقَةً» ''ہمارا متروکہ صدقہ میراث نہیں ہوتا۔'' یہ تاویل ان صحیح احادیث کے خلاف ہے، جنہیں حفاظ محدثین نے نقل کیا ہے۔ یہ اس فرقہ کی کوئی پہلی تحریف نہیں۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ والی مذکورہ حدیث اس بات کا واضح طور پر ردّ کرتی ہے، جس کے الفاظ ہیں: «فَهُوَ صَدَقَةٌ» ''ہم جو چھوڑیں، وہ صدقہ ہی ہوتا ہے۔'' نیز ارشاد ہے: «لَا تَقْتَسِمُ وَرَثَتِي دِينَارًا» ''میرے ورثا ایک دینار بھی تقسیم نہ کریں۔''

(تحفة الأحوذي : 193/5)

کہا جاتا ہے کہ مرتضیٰ موسوی شیعہ اور ابوعلی حسین بن خضر قاضی کے مابین مسئلہ ''میراث الانبیا'' پر مناظرہ ہوا تھا۔ ہم اس کی سند پر مطلع نہیں ہو سکے، البتہ اس میں روافض کے استدلال کا رد ہوتا ہے، اسے بطور فائدہ ذکر کیا جاتا ہے۔

إِنَّ أَبَا عَلِيٍّ تَمَسَّكَ بِهٰذَا الْحَدِيثِ قَوْلِهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

: لَا نُورَثُ، مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ، فَاعْتَرَضَ عَلَيْهِ الْمُرْتَضَى الْمُوسَوِيُّ، وَقَالَ : كَيْفَ تَقُولُ إِعْرَابَ صَدَقَةٍ بِالرَّفْعِ أَوِ النَّصْبِ؟ إِنْ قُلْتَ بِالرَّفْعِ فَلَيْسَ كَذٰلِكَ، وَإِنْ قُلْتَ بِالنَّصْبِ فَهُوَ حُجَّتِي، لِأَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : مَا تَرَكْنَا صَدَقَةً، يَعْنِي لَمْ نَتْرُكْهُ صَدَقَةً، فَدَخَلَ أَبُو عَلِيٍّ وَقَالَ : فِيمَا ذَهَبْتَ إِلَيْهِ إِبْطَالُ فَائِدَةِ الْحَدِيثِ، فَإِنَّ أَحَدًا لَّا يَخْفٰى عَلَيْهِ أَنَّ الْإِنْسَانَ إِذَا مَاتَ يَرِثُهٗ قَرِيبُهٗ، وَأَقْرَبُ النَّاسِ إِلَيْهِ، وَلَا يَكُونُ صَدَقَةً وَّلَا يَقَعُ فِيهِ الْإِشْكَالُ، فَبَيَّنَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي هٰذَا الْحَدِيثِ أَنَّ مَا تَرَكَهٗ صَدَقَةٌ بِخِلَافِ سَائِرِ النَّاسِ .

''ابوعلی قاضی نے اس حدیث کو دلیل بنایا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''ہماری میراث نہیں ہوتی، ہم (انبیا) جو کچھ چھوڑ جاتے ہیں، وہ صدقہ ہوتا ہے۔'' اس پر مرتضی موسوی شیعہ نے اعتراض کرتے ہوئے کہا: آپ اس حدیث کا اعراب کیسے پڑھتے ہیں؟ لفظ «صَدَقَة» مرفوع ہے یا منصوب؟ مرفوع ہے، تو آپ کی بات درست نہیں، منصوب ہے، تو یہ میری دلیل بنتی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: «مَا تَرَكْنَا صَدَقَةً»، ''ہم صدقہ نہیں چھوڑتے۔'' ابو علی قاضی نے اس کا جواب دیتے ہوئے کہا: حدیث کا جو معنی آپ لے رہے ہیں، اس سے حدیث کا مقصد ہی باطل ہو جاتا ہے، کیونکہ یہ بات کسی پر مخفی نہیں کہ جب کوئی فوت ہوتا ہے، تو قریبی رشتہ دار ہی اس کے وارث بنتے ہیں، وہ

مال صدقہ نہیں ہوتا۔اس میں کوئی اشکال نہیں۔اس خصوصی بیان کا مقصد ہی یہ ہے کہ عام لوگوں کے برعکس نبی اکرم ﷺ کا متروکہ مال صدقہ ہے۔''

(الأنساب للسّمعاني : 310/9)

ہر کسی کو معلوم ہے کہ امتیوں کا چھوڑا ہوا مال ورثا میں تقسیم ہوتا ہے،صدقہ نہیں ہوتا۔ اگر نبی اکرم ﷺ کی وراثت کا بھی یہی معاملہ تھا،تو اس خصوصی بیان کی ضرورت ہی نہیں تھی۔حقیقت یہ ہے کہ وراثت انبیا کا معاملہ خاص تھا اور وہ یہ کہ ان کی وراثت نہیں ہوتی،وہ جو کچھ چھوڑ جائیں،وہ صدقہ ہی ہوتا ہے۔اس حدیث کا یہی مفہوم ہے،سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے بھی سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بات سن کر یہ حقیقت تسلیم کر لی تھی۔

سوال: غیر اللہ کو مدد کے لیے پکارنے کا کیا حکم ہے؟

جواب: مافوق الاسباب مدد کے لیے صرف اللہ تعالیٰ کی پکار کی جائے گی،اس مدد کے لیے غیر اللہ کی پکار شرک ہے۔

مدد دو طرح کی ہوتی ہے؛فوق الاسباب اور تحت الاسباب۔تحت الاسباب مدد اس زندہ شخص سے لی جاسکتی ہے،جو اس پر قدرت رکھتا ہو۔یہ انسانی ضرورت ہے۔یہ مدد زندوں سے مانگی جاسکتی ہے،مردوں سے نہیں،کیونکہ مردہ اس پر قادر نہیں۔جبکہ فوق الاسباب مدد صرف اللہ تعالیٰ سے طلب کی جاسکتی ہے،اس مدد کے لیے غیر اللہ کی پکار شرک ہے۔تحت الاسباب مدد کی مثالیں دے کر مخلوق سے فوق الاسباب مدد مانگنے کا جواز پیش کرنا جہالت اور شرک کی ترویج کے سوا کچھ ہے۔

✿ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

''کچھ مشرکین ایسے ہیں،جو زندہ یا فوت شدہ مخلوق سے (فوق الاسباب) مدد

طلب کرتے ہیں، چاہے وہ مخلوق مسلمان ہو یا عیسائی یا مشرک۔تو شیطان اس شخص کی شکل اختیار کر لیتا ہے، جس سے مدد مانگی گئی ہوتی ہے اور مدد مانگنے والے کی کوئی ضرورت پوری کر دیتا ہے۔مدد مانگنے والا سمجھتا ہے کہ یہ وہی شخص ہے یا سمجھتا ہے کہ یہ اس شخص کی صورت میں فرشتہ ہے، جبکہ درحقیقت وہ شیطان ہوتا ہے، جو پکارنے والے کو اللہ کے ساتھ شرک کرنے کے لیے گمراہ کرتا ہے۔جیسا کہ شیاطین بتوں کے اندر داخل ہو جاتے تھے اور مشرکوں سے ہم کلام ہوتے تھے۔''

(الفرقان بین أولیاء الرّحمٰن وأولیاء الشّیطان، ص 429)

✿ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ (۷۵۱ھ) فرماتے ہیں:

''مردوں سے حاجات طلب کرنا، ان سے مدد مانگنا اور ان کی طرف رجوع کرنا بھی شرک کی اقسام میں سے ہے۔کائنات کے شرک کرنے کی وجہ یہی ہے۔ میت کے اعمال منقطع ہو جاتے ہیں، وہ اپنی ذات کے لیے نفع ونقصان کا مالک نہیں، چہ جائیکہ اس کے نفع ونقصان کا مالک ہو، جو اس سے مدد مانگ رہا ہے، اس سے اپنی ضرورت پوری کرنا کا طالب ہے یا اس سے اس بارے میں اللہ تعالیٰ سے سفارش کرنے کا سوال کر رہا ہو۔یہ سفارش کرنے والے اور جس کے لیے سفارش کی جا رہی ہے، کے متعلق اس شخص کی جہالت ہے، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی اجازت کے بغیر کسی کی سفارش نہیں کر سکتا۔اللہ تعالیٰ نے کسی کو مدد کے لیے پکارنے اور سوال کرنے کو اپنی اجازت کا سبب نہیں بنایا، بلکہ اللہ تعالیٰ کی اجازت کا سبب کمال توحید ہے۔جبکہ یہ مشرک ایسا سبب پیش

کر رہا ہے، جو سفارش کی اجازت کے لیے مانع ہے، یہ تو ایسے ہی ہے، جیسے کوئی اپنی ضرورت کے لیے ایسی چیز سے مدد مانگے، جو اس کی ضرورت کے حصول کے لیے مانع ہو۔ ہر مشرک کی یہی حالت ہے۔ میت تو خود محتاج ہوتی ہے کہ کوئی اس کے لیے دعا کرے، کوئی اس کے لیے رحم کا سوال کرے اور کوئی اس کے لیے استغفار کرے، جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے ہمیں نصیحت کی ہے کہ جب ہم مسلمانوں کے قبرستان کی زیارت کریں، تو ان کے لیے رحم کی دعا کریں اور ان کے لیے عافیت اور مغفرت کا سوال کریں۔ مگر مشرکین اس کے برعکس کرتے ہیں۔ وہ قبروں کی زیارت اس لیے کرتے ہیں کہ ان کی عبادت کریں، ان سے حاجات طلب کریں اور ان سے مدد مانگیں۔ وہ ان کی قبروں کو عبادت گاہیں بنا دیتے ہیں، ان کی طرف قصد کرنے کو حج کا نام دیتے ہیں، ان کے پاس ٹھہرتے ہیں، اپنے سر مونڈتے ہیں۔ وہ معبود برحق کے ساتھ شرک کرتے ہیں، دین کو بدلتے ہیں، اہل توحید سے دشمنی رکھتے ہیں اور مؤحدین کو فوت شدگان کا گستاخ قرار دیتے ہیں۔ جبکہ یہ خود شرک کے ساتھ خالق کی گستاخی کرتے ہیں اور اللہ کے اہل توحید دوستوں کی بھی تنقیص کرتے ہیں، جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ذرہ برابر بھی شرک نہیں کرتے۔ یہ لوگ ان مؤحدین کی مذمت کرتے ہیں، ان پر عیب جوئی کرتے ہیں اور ان سے دشمنی رکھتے ہیں۔ یہ لوگ ان ہستیوں کے بھی سخت گستاخ ہیں، جنہیں یہ اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں، کیونکہ یہ گمان کیے بیٹھے ہیں کہ وہ ان کے اس اقدام سے راضی ہیں، اس کا حکم انہیں ان ہستیوں نے ہی دیا ہے اور وہ اس وجہ سے

ان سے محبت کرتی ہیں۔ یہ لوگ ہر زمان ومکان میں تشریف لانے والے رسولوں اور توحید کے دشمن ہیں۔......اس شرک اکبر سے وہی نجات پا سکتا ہے، جو توحید کو خالص اللہ تعالیٰ کے لیے کر دے، اللہ کے لیے مشرکوں سے عداوت رکھے اور ان سے بغض وعناد کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا قرب اختیار کرے۔صرف اللہ تعالیٰ کا اپنا دوست، الٰہ اور معبود بنا لے اور اپنی محبت، خوف، اُمید، عاجزی، توکل، استعانت، التجا اور استغاثہ کو اللہ تعالیٰ کے لیے خالص کر دے، اپنے قصد وارادہ کو اللہ تعالیٰ کے لیے خالص کر دے، اس کے حکم کا متبع بن جائے اور اس کی رضا کا متلاشی ہو جائے، جب سوال کرے، اللہ سے سوال کرے، جب مدد مانگے، تو اللہ سے مانگے اور جب عمل کرے، تو اللہ تعالیٰ کے لیے کرے۔تو وہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہو جائے گا، اسے اللہ تعالیٰ کی نصرت وامداد حاصل ہو جائے گی۔''

(مَدارج السّالکین :346/1)

۞ نیز فرماتے ہیں:

''عجیب بات ہے کہ مشرکین اہل توحید کی نسبت کہتے ہیں کہ یہ مشائخ، انبیا اور صالحین کی شان میں تنقیص کرتے ہیں، ان کا گناہ تو صرف اتنا ہے کہ یہ کہتے ہیں : یہ سب اللہ کے بندے ہیں، یہ اپنے لیے اور دوسروں کے لیے نفع ونقصان، زندگی، موت اور دوبارہ جی اٹھنے کے مالک نہیں۔ یہ انبیاء اور صلحا اپنے عبادت کرنے والوں کی کبھی شفاعت نہ کریں گے، بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان پر ان مشرکوں کی شفاعت حرام کر دی ہے۔اہل توحید کے لیے بھی اسی وقت

شفاعت کریں گے، جب اللہ تعالیٰ انہیں شفاعت کا اذن دے گا۔ ان کا اپنا کوئی اختیار نہیں، بلکہ سارے اختیارات اللہ تعالیٰ کے ہیں، سب شفاعت اور ولایت اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ اس کے علاوہ مخلوق میں نہ کوئی کارساز ہے اور نہ شفاعت والا۔''

(إغاثة اللّهفان: 61/1)

سوال: سجدہ تعظیمی کا کیا حکم ہے؟

جواب: سجدہ تعظیمی شرک نہیں، حرام ہے۔ پہلی شریعتوں میں اس کی اجازت تھی، مگر جس طرح اللہ رب العالمین کو سجدہ کیا جاتا ہے، مخلوق کے لیے اس طرح سجدہ کرنا شرک ہے، کیونکہ یہ مظہر عبادت ہے۔ سجدہ تعظیمی سے مراد تعظیماً جھکنا تھا، نہ کہ معروف سجدہ۔

❁ علامہ ابن عطیہ رحمہ اللہ (۵۴۲ھ) فرماتے ہیں:

أَجْمَعَ الْمُفَسِّرُونَ أَنَّ ذٰلِكَ السُّجُودَ، عَلٰى أَيِّ هَيْئَةٍ كَانَ، فَإِنَّمَا كَانَ تَحِيَّةً لَا عِبَادَةً.

''یہ سجدہ جس طرح بھی تھا، البتہ اس پر مفسرین کا اجماع ہے کہ یہ سجدہ تحیہ تھا، عبادت کے لیے نہ تھا۔''

(تفسير ابن عطية: 281/3)

سوال: حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ جس شخص سے محبت کرتا ہے، اس کے ہاتھ، کان، آنکھ وغیرہ بن جاتا ہے۔ اس کا کیا مفہوم ہے؟

جواب: مکمل حدیث ملاحظہ ہو؛

❁ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَا يَزَالُ عَبْدِي يَتَقَرَّبُ إِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰى أُحِبَّهُ، فَإِذَا أَحْبَبْتُهُ، كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِي يَسْمَعُ بِهِ، وَبَصَرَهُ الَّذِي يُبْصِرُ بِهِ، وَيَدَهُ الَّتِي يَبْطِشُ بِهَا، وَرِجْلَهُ الَّتِي يَمْشِي بِهَا، وَإِنْ سَأَلَنِي، لَأُعْطِيَنَّهُ، وَلَئِنِ اسْتَعَاذَنِي لَأُعِيذَنَّهُ.

''(اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:) میرا قرب حاصل کرنے کے لئے میرا بندہ نوافل کا اس قدر اہتمام کرتا ہے کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں۔ جب میں اس سے محبت کرتا ہوں، تو اس کا کان بن جاتا ہوں، جس سے وہ سنتا ہے، اس کی آنکھ بن جاتا ہوں، جس سے وہ دیکھتا ہے، اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں، جس سے وہ پکڑتا ہے، اس کا پاؤں بن جاتا ہوں، جس سے وہ چلتا ہے۔ مجھ سے مانگے، تو اسے عطا کرتا ہوں اور اگر میری پناہ طلب کرے، تو اُسے پناہ دیتا ہوں۔''

(صحيح البخاري: 6502)

سلف نے اس حدیث کو حقیقت پر محمول کیا ہے، یعنی بغیر کسی تاویل کے جوں کی توں قبول کی ہے۔ البتہ سوچنے کی بات یہ ہے کہ اس حدیث کا اصل معنی ہے کیا؟

دو ہی باتیں ہو سکتی ہیں۔ یا یہ مراد لیا جائے کہ (معاذ اللہ) خود اللہ تعالیٰ ولی کے کان، آنکھیں، ہاتھ اور ٹانگیں بن جاتا ہے، دوسرے لفظوں میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ اللہ ولی اور ولی اللہ بن جاتا ہے یا یہ مراد لیا جائے کہ اللہ تعالیٰ ولی کے کان، آنکھ، ہاتھ اور اس کی ٹانگ کو اس انداز میں درست کر دیتا ہے کہ اُس کا ادراک اور عمل اللہ ربّ العزت کی نصرت و تائید کے ساتھ اُس کی خوشنودی کا باعث بن جاتا ہے۔

بلاشبہ پہلا معنی درُست نہیں، اس حدیث کا حقیقی معنی یہ ہے، نہ سیاقِ کلام اس کا

متقاضی ہے۔ اہلِ علم اس سے خوب واقف ہیں۔ یہ حدیث خود دو طرح سے اس معنی کا ردّ کرتی ہے۔ اوّل یہ کہ اللہ کا فرمان ہے: میرا قرب حاصل کرنے کے لئے میرا بندہ نوافل کا اس قدر اہتمام کرتا ہے کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں۔ نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: مجھ سے مانگے، تو اسے عطا کرتا ہوں اور اگر میری پناہ طلب کرے، تو اُسے پناہ دیتا ہوں۔

غور فرمائیں کہ اس حدیث میں میرے بندے کے الفاظ ذکر کر کے اللہ تعالیٰ نے بندے کو عابد اور خود کو معبود ثابت کیا ہے۔ قرب حاصل کرنے کی کیفیت ذکر کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ ایک قرب چاہنے والا ہے اور دوسرا وہ ہے، جس سے قرب چاہا گیا۔ بندے کے سوال اور اپنی عطا کا تذکرہ فرما کر بیان کیا ہے کہ ولی سوالی اور اللہ تعالیٰ عطا کرنے والا ہے۔ پناہ کے سوال اور اجابت کے تذکرے کا مقصد یہ ہے کہ ولی پناہ کا طلب گار اور اللہ تعالیٰ پناہ دینے والا ہے۔ حدیث کا سیاق بتاتا ہے کہ ولی اور اللہ تعالیٰ کی ذات ہر اعتبار سے جدا جدا ہے۔ ممکن ہی نہیں کہ ایک دوسرے کی کوئی صفت یا جزو بن جائے۔ لہٰذا ہرگز اس حدیث سے یہ مراد نہیں کہ (معاذ اللہ) خود اللہ تعالیٰ اپنے ولی کا کان، ہاتھ وغیرہ بن جاتا ہے یا اس میں داخل ہو جاتا ہے یا ولی ہی اللہ بن جاتا ہے۔

دوسرے یہ کہ ولی کے کان، آنکھ اور ٹانگ ساری چیزیں اوصاف یا اجزا ہیں۔ اس بات سے کسی کو انکار نہیں کہ مخلوق کا وجود حادث ہے، یعنی ایک وقت ان کا وجود نہیں تھا اور ایک وقت آنے پر وہ دوبارہ فنا ہو جائیں گی۔ ممکن نہیں کہ کسی عقل مند کا ذہن یہ بات قبول کر سکے کہ وہ خالق، جو ازل سے ہے اور جس سے پہلے کچھ نہ تھا، وہ کسی فانی مخلوق کا کان، آنکھ، ہاتھ اور ٹانگ بن جائے۔ نیز مخلوق کے اعضا فانی ہیں۔ اُن میں تغیر و تبدل آتا رہتا ہے، ان میں نشو و نما، بڑھوتری، شکست و ریخت اور نقصان کی کیفیات طاری ہوتی رہتی ہیں۔ اگر

حدیث کا معنی یہ سمجھا جائے کہ (معاذ اللہ) خود اللہ تعالیٰ اپنے ولی کا کان، ہاتھ، آنکھ اور ٹانگ بن جاتا ہے تو ذاتِ باری تعالیٰ کو تغیر و تبدل کا محل ماننا لازم آئے گا جو کہ صریح کفر ہے۔ اولیاء اللہ کو موت آتی ہے، تو کیا اللہ تعالیٰ کے لیے موت ممکن ہے؟

کائنات کے سب سے بڑے ولی رسول اللہ ﷺ کے دانت مبارک شہید ہو گئے۔ صحابہ کرام جن کی ولایت میں کسی مسلمان کو شبہ نہیں، اُن کے اعضا مثلاً ہاتھ، بازو، ٹانگیں اور کان وغیرہ میدان کارزار میں کٹتے ہیں۔ کوئی صاحب ایمان یہ کہہ سکتا ہے کہ (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ کٹ گیا، زخمی ہو گیا یا اسے کوئی بیماری لاحق ہو گئی؟ تو پھر یہ معنی کیوں کر درست ہوا؟ اور اس معنی کو حدیث کا حقیقی اور ظاہری معنی کیسے قرار دیا جا سکتا ہے؟ ایسا قطعاً ممکن نہیں بلکہ یہ ایسی بات ہے، جس کے تصور سے بھی نفوس سلیمہ نفرت کرتے ہیں، زبان اس بات کو فرضی طور پر بولنے سے بھی قاصر ہے۔

یہ معنی غلط ہے، تو دوسرا معنی خود بخود دُرست ثابت ہوگا کہ اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے ولی کے کان، آنکھ، ہاتھ اور پاؤں کے اعمال اس طرح دُرست فرما دیتا ہے کہ ولی کے سب کام اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے خاص ہو جاتے ہیں اور مولیٰ کریم کی مدد و نصرت شامل حال ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے اعمال کو شرفِ قبولیت سے نوازتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ اپنے ولی کے ساتھ یہ معاملہ کرتا ہے تو ولی پیکر اخلاص بن جاتا ہے۔ اس کے ہر عمل میں رضائے الٰہی کی طلب جھلکتی ہے۔

سلف کی تفسیر و تشریح یہی ہے اور یہی قول حدیث کے ظاہری و حقیقی معنی کے موافق ہے، سیاقِ کلام سے یہی معنی متعین ہوتا ہے۔ اس میں کوئی تاویل ہے، نہ تحریف۔